'عکسِ آواز' میں عصری شعور کی پیش کش

ڈاکٹر رحمت علی شاد
پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج بوائز کمیر ٹاؤن ساہیوال

CONTEMPORANEOUS TRACES IN AKS-E-AWAZ

Rahmat Ali Shad, PhD
Principal Govt. Degree College for Boys
Kameer Town, Sahiwal

Abstract

Dr. Mukhtar-ud-din Ahmad is one of the distinguished Urdu poets in Europe. He is a dauntless critic of political and contemporary conditions of his age. In his purposeful verse, he seems to be a follower of the poetic tradition of Iqbal and Zafar Ali Khan. His poetic creation 'Aks-e-Awaz' carries diverse topics such as divine wisdom, love for Prophet Muhammad (SAW),natural beauty, patriotism, recognition of self, internal pain and problems of Muslim Ummah. He has depicted a dreadful picture of atrocities inflicted by the developed nations on the Muslim. He has also highlighted the miserable condition of his brethren in Pakistan.

Keywords

عکسِ آواز، شاعری، اجتماعی دردمندی، مقصدیت، سیاسی وعصری شعور، داخلی کیفیات، حب الوطنی، امتِ مسلمہ، یورپ

نطق کا جادو جگا دوں گا میانِ خامشی
چپ کا پتھر حرف کا پیکر بناتا جاؤں گا۔(۱)

روشنی کا سایا،عکسِ آواز ، مقالاتِ مختار اور مضامین مختار کے خالق ڈاکٹر مختار الدین احمد مختار انگلستان میں مقیم اردو کے وہ خوب صورت شاعر اور نقاد ہیں جن کا شمار اساتذہ سخن میں ہوتا ہے۔ وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں اور ۱۹۹۶ء سے ساؤتھ یارک شائر کے ایک قصبے ریون فیلڈ میں ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ان کی شعری تخلیقات میں ''روشنی کا سایا'' اور ''عکسِ آواز'' شامل ہیں جب کہ ''مقالاتِ مختار'' اور ''مضامینِ مختار'' ان کے تنقیدی شعور پر مبنی کتب ہیں۔شاعری میں انھوں نے حمد، نعت، رباعی، قصیدہ، منقبت، سلام، قطعہ اور غزل میں اپنے تخلیقی وفور کا اظہار کیا ہے۔''عکسِ آواز'' کی آٹھ نعتیں، سینتیس نظمیں، ایک سو اکتیس غزلیں اور قطعات و رباعیات اپنے اندر عرفانِ خداوندی، عشقِ رسول اکرمؐ، حسنِ فطرت، حب الوطنی، جستجوئے ذات، داخلی کرب، فلسفیانہ فکر اور سیاسی و عصری شعور کے حامل واقعات و خیالات سموئے ہوئے ہیں۔ڈاکٹر مختار کی شاعری کا مرکزی نکتہ امتِ مسلمہ کے حوالے سے عالمی سیاسی حالات کا تجزیہ ہے۔اس بارے میں صباحت عاصم واسطی کی رائے ہے:

> ''ڈاکٹر صاحب اپنی لگاوٹوں کے توسط سے اپنی سیاسی اور سماجی فکر وضع کرتے ہیں۔اُن کی نظر مسلمان امہ کے مسائل پر گہری ہے۔وہ اسی تناظر میں عالمی سیاست کا جائزہ لیتے ہیں اور بار بار مسلمانوں سے کی گئی زیادتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔''(۲)

عصری شعور کی یہ جھلک محض ڈاکٹر مختار کے ہاں ہی دکھائی نہیں دیتی بل کہ اردو شاعری میں قریب قریب سبھی بڑے شعرا نے اپنے عہد کے اہم سیاسی، معاشی اور سماجی واقعات کے نشیب و فراز کی داستان بیان کی ہے۔میؔر نے شاہ عالم ثانی کی آنکھوں میں سلائیاں پھرتی دیکھیں، سوؔدا نے ''شہر آشوب'' میں عوام و خواص کی معاشی ابتری اور اخلاقی پستی کو موضوع بنایا، مومؔن نے مثنوی جہاد لکھ کر شاعری میں حق و باطل کے معرکے کا آغاز کیا، اقبال نے امت مسلم کی زبوں حالی کے اسباب و علل دریافت کیے، ظفر علی خاں نے مزاحمتی لہجہ اختیار کر کے حکومت وقت کو حقیقت کا آئینہ دکھایا اور فیض و جوش نے انقلابی رنگ میں مظلوم طبقے کے لیے آواز بلند کی۔مختلف اوقات میں اردو شاعری میں مابعد الطبیعات، ماورائیت، تلاشِ ذات، ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے رجحانات غالب رہے مگر ایک روحِ عصر کے تقاضے ہر عہد میں شعرا و ادبا کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔

عصری مسائل کا موضوع آج بھی حساسیت اور سنگینی کے باعث اردو شاعری میں مرکزیت کا حامل ہے۔ یہ موضوع اپنے اندر انسان دوستی اور اجتماعیت کے جذبات بھی سموئے ہوئے ہے۔ بقول ڈاکٹر نعیم احمد:

''آج اردو شاعری ایک بار پھر ذات اور ذاتیات کے بجائے اجتماعیت پر زور دے رہی ہے۔ ذات کی بھول بھلیوں میں گم ہونے اور ناز کرنے کے بجائے دوسروں کا دکھ درد محسوس کرنے، ان کی ہر اذیت کو سمجھنے کا شعور بہت قوی ہو گیا ہے۔''(۳)

ڈاکٹر مختار نے گل وبلبل کے افسانے رقم کرنے کے بجائے مسلمانوں کے اجتماعی درد کو محسوس کیا ہے۔ وہ تسکینِ ذات سے زیادہ اجتماعی دردمندی کے جذبے سے سرشار ہیں جس کے زیر اثر انھوں نے عالمی سیاسی منظرنامے کی عصری صورتِ حال کا ناقدانہ نظر سے جائزہ پیش کیا ہے۔ یہی عصری شعور ان کے کلام کی نمایاں خصوصیت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ وہ ایک عرصے سے یورپ میں رہائش پذیر ہیں۔ انھوں نے وہاں کی سیاست اور عوامی سوچ کو قریب سے دیکھا ہے۔ یورپی میڈیا بھی مسلمانوں کی کردار کشی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، اس کی جانب داری اور متعصّبانہ رویہ ڈاکٹر صاحب پر بخوبی عیاں ہے۔ مغرب کی جمہوری اور تہذیبی صورت پذیری کی اندرونی کیفیت کے بارے میں وہ علامہ اقبال کے حامی ہیں۔ حالیہ صدی کے آغاز میں مغرب نے روشن خیالی کا نعرہ بلند کیا اس مغربی ایجنڈے کو پاکستان میں بھی ایک طبقے کی طرف سے نام نہاد پذیرائی بخشی گئی۔ اس کا تجزیہ ڈاکٹر مختار صاحب نے ایک خوب صورت تمثیل سے یوں کیا ہے:

ہاتھ میں اندھے کے مشعل ہو تو لگ جائے گی آگ
مغربی روشن خیالی ہے مکرر تیرگی(۴)

مغربی میڈیا مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے میں مسلسل مصروف عمل ہے۔ اس کے غلط پروپیگنڈے کے پیشِ نظر عوام وحکام میں مسلمانوں کا جو تصور پایا جاتا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ ہے اور مبنی بر حقیقت بھی نہیں۔ ڈاکٹر مختار نے جہاں میڈیا کی اسلام دشمنی کو بے نقاب کیا ہے وہاں مغربی واسلامی اقدار کے تقابل سے یورپی تہذیب کو کڑی تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے۔ مثال میں دو قطعات ملاحظہ ہوں:

مغربی میڈیا

مسجد سے اماموں کو نکالو باہر
مکتب سے کرو مولویوں کو بھی بدر
تہذیب کا گہوارہ ہے مغرب، لیکن
یاں سارے مسلمان ہیں جاہل بربر(۵)

فرانس کی مسلم دشمنی

جمہور کے دل میں ہے عداوت کیسی
تہذیب کے پردے میں سیاست کیسی

ناچ کوئی ننگا تو یہ ہے اس کا حق
پھر سر کو چھپانے میں قباحت کیسی (۶)

عالمی سطح پر جس طرح مسلمانوں کے حقوق کی پامالی کا عمل جاری ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں۔اقوامِ متحدہ کا ادارہ انسانی حقوق کے تحفظ میں ناکامی کے بعد اپنی معنویت کھو چکا ہے اور روس کا شیرازہ بکھرنے کے بعد تو اس کی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔مسلمان بوسنیا، کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان اور برما میں نشانۂ ستم بنے، یہ مشقِ ستم کشمیر و فلسطین میں تاحال جاری و ساری ہے۔ایک تلخ حقیقت جسے ڈاکٹر مختار نے اپنے کلام میں موزوں اور برمحل استعارات کے استعمال سے واضح کیا ہے وہ ہے یہود و ہنود اور صلیبیوں کا اتحاد۔عالمِ کفر بالعموم اور مذکورہ اقوام بالخصوص مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں پیش پیش ہیں۔ایسے میں مسلمانوں کی جو صورتِ حال ہے اس کا نقشہ درج ذیل قطعات کی صورت میں ملاحظہ فرمائیں:

مسلمان

پس رہے ہیں گردشِ افلاک میں
خاک سے بچھڑے ملے ہیں خاک میں
بھیڑیا ، رُوباہ سگ اور ہائینا
جس کو دیکھو ہے ہماری تاک میں(۷)

بیسویں صدی کا انجام

سو سال ختم ہونے میں باقی ہیں چند سال
تاریخ میں لکھیں گے انھیں عرصۂ ضلال
دو ظلم اس صدی میں ہوئے ہیں بہت بڑے
کشمیر کا سقوط ، فلسطین کا مآل(۸)

ڈاکٹر مختار کے ہاں ایک نمایاں رجحان انسان دوستی کا ہے۔اُن کا عصری شعور امت مسلمہ کی درد مندی تک ہی محدود نہیں بل کہ وہ عراق و افغانستان میں یورپی فوجیوں کی موت پر بھی گہرے غم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔یہی رویہ اُن کی انسان دوستی کا ثبوت ہے۔دو طرفہ اموات کا یہ سلسلہ اُن کے دل میں یہ سوال اُٹھاتا ہے کہ انسان آخر دوسرے انسان کے خون کا پیاسا کیوں بنا ہوا ہے؟ لیکن اس سوال میں یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کی ہوس پرستی اور استعماریت کا بلیغ اشارہ موجود ہے۔نظم ''فرضِ کفایہ'' ایک حساس اور انسان دوست شاعر کے دل کی آواز اور مسلمانوں کی بے بسی کا استعارہ ہے، نظم ملاحظہ کیجیے:

عراق و کابل و قندھار سے/ جب بھی خبر آئی
کوئی برٹش سپاہی/ اپنی جاں سے ہاتھ دھو بیٹھا

تو یہ سن کر مجھے افسوس ہوتا ہے/ مرے ہوش وخرد اس بات پر
آنسو بہاتے ہیں/ یہ میرے ہم زمیں
کم عمر ونوخیز وجواں/کس بات کی خاطر
دیارِ غیر میں بے فائدہ اور بے سبب/ ہر روز مرتے ہیں
جب ان کے باپ، ماں اور بیویوں کے غم زدہ/ چہرے نظر آتے ہیں ٹی وی پر
تو میرا دل بھی ان کے ساتھ روتا ہے/مگر ہر مغربی مردہ سپاہی کے عوض
سو بے گناہ معصوم لیکن باحمیت لوگ/ اپنی جان دیتے ہیں
جو سب گمنام رہتے ہیں/ میں ان کو رو نہیں سکتا
میں ان کے ساتھ مرتا ہوں۔(۹)

سائنسی ترقی کا ایک رُخ ایٹمی ہتھیاروں کے روپ میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ بھی عصر حاضر کے انسانوں کی بقا کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔ اپنے ہوسِ اقتدار میں امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی کے لاکھوں بے جرم انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر ظلم کیا تھا۔ظلم کی یہ داستان جو چھوٹے پیمانے پر اب بھی جاری ہے، یقیناً ایک بڑی جنگ کا پیش خیمہ ہے۔اس تشویش کا اظہار ہمیں نظم ''ایٹمی صبح'' میں اپنے تمام تر بھیانک اثرات سمیت نظر آتا ہے۔اس نظم کے صرف تین مصرعے ملاحظہ فرمائیں:

ہر طرف ایک چمک دار دھماکہ ہوگا
روح انسان کے ڈھانچوں سے نکل جائے گی
اور ہر سمت زمانے میں اندھیرا ہوگا(۱۰)

ڈاکٹر مختار کے ہاں ملک پاکستان کے عصری مسائل پر ردعمل کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔وہ جسمانی طور پر بھلے برطانیہ میں ہوں مگر اُن کی دھڑکن میں پاکستان اور اس کے باشندے بسے ہوئے ہیں۔۱۹۵۱ء میں جب انڈیا نے پاکستان کو جنگ کی دھمکی دی تو لیاقت علی خان نے مکا ہوا میں لہرا کر اس کا منہ توڑ جواب دیا تو ڈاکٹر صاحب نے ''رجزیہ نغمہ'' لکھ کر اُن کی تائید کی۔ یہ نظم تاریخی تلمیحات کی حامل ہونے کے علاوہ جوش وجذبے سے بھرپور ہے۔چند اشعار دیکھیے:

پھر ابھر آیا ہے شاید سومنات
ہو رہا ہے غزنوی بیدار پھر
پھر کہیں دروازۂ خیبر بنا
جاگتا ہے حیدر کرار پھر

پھر سراسیمہ ہوئی دشمن کی فوج
بڑھ رہا ہے خالدِ جرار پھر
پھر صلاح الدین کیا پیدا ہوا
کانپتا ہے لشکرِ کفار پھر
پھر کوئی طارق جلاتا ہے جہاز
ٹوٹتا ہے جادوئے پندار پھر(۱۱)

پاکستان کی عصری صورتِ حال پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب ایک حقیقت نگار کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جہاں وہ دشمن کے ناپاک ارادوں پر تشویش کناں ہیں وہیں وہ عوام پر حکمرانوں کے جبر کو بھی سامنے لانے میں پس وپیش کرتے نظر نہیں آتے۔ بقول باصر سلطان کاظمی:

''مختار صاحب مسلمانوں کی زبوں حالی پر کڑھتے ہیں اور اس کا ذمہ دار کچھ انھیں اور کچھ استعماری اور استحصالی طاقتوں کو ٹھہراتے ہیں۔ اندرون ملک طالع آزما بھی ان کا ہدف بنتے ہیں۔''(۱۲)

انھیں مظلوم سے ہمدردی اور ظالم سے نفرت ہے جس کا اظہار انھوں نے بے باکانہ انداز میں کیا ہے۔ صدر ایوب کے دور میں ہونے والے الیکشن پر انھوں نے اپنی نظم ''ایوبی الیکشن'' میں یوں تبصرہ کیا ہے:

حق بات کو حق یہ ہے کہ باطل نہ کہیں گے
طوفان کو ہم لوگ تو ساحل نہ کہیں گے
پڑھتے رہیں گلشن میں وہ خود اپنے قصیدے
ہم زاغ و زغن کو تو عنادل نہ کہیں گے(۱۳)

ہمارے ملک کی سیاسی تاریخ کا ہر باب جبر وتسلط، ظلم وجور اور فریب وخود غرضی سے عبارت ہے۔ مارشل لا میں غیر جمہوری رویوں نے عوام کا استحصال کیا تو جمہوریت میں بدعنوان عناصر نے ملکی ارتقا کی جڑوں کو کھوکھلا کیا۔ مہنگائی، بے روزگاری اور کرپشن سے تنگ آئی عوام میں مایوسی کے آثار پیدا ہونا فطری عمل تھا۔ ملکی تاریخ کے اس جبر کو ڈاکٹر مختار نے یوں تنقید کا نشانہ بنایا ہے:

ہمارے دور کی تاریخ کا ستم یہ ہے
کہیں سے کھولیے بس ایک باب نکلے گا(۱۴)

حق دینے کے کھوکھلے وعدے کر کے یہ لوگ تختِ حکمرانی حاصل کر لیتے ہیں اس کے بعد جب حق دینے کا وقت آتا ہے تو پس وپیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ ایک جگہ پر رقم طراز ہیں:

حق دینے کو کرتی ہیں مختاری حاصل
حق دینے میں پھر سرکاریں تھک جاتی ہیں(۱۵)

''عکسِ آواز'' میں ایک نمایاں آواز حب الوطنی کی ہے جس کی بازگشت قاری کو جابہ جا سنائی دیتی ہے۔ ہندوستان نے کشمیر پر غاصبانہ قبضے کے بعد پانی کی بندش کو معمول بنا لیا۔۱۹۶۰ء میں سندھ طاس کے معاہدے کی رُو سے ستلج، بیاس اور راوی کا پانی ہندوستان کے حصے میں آیا جس سے دریا خشک ہو گئے اور ملک خشک سالی کا شکار ہونے لگا۔ یہ صورتِ حال عوام اور ملکی معیشت کے لیے تشویش ناک تھی جس کا نوحہ ڈاکٹر صاحب نے یوں لکھا ہے:

اپنے دریاؤں نے آخر ترک بہنا کر دیا
بس کناروں پر لکھے سیلاب باقی رہ گئے(۱۶)

عوام الناس کی دردمندی کی ایک مثال ۲۰۰۵ء میں کشمیر کا زلزلہ ہے جس سے بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی اور بہت سے لوگ بے گھر ہو گئے۔ اس الم ناک گھڑی میں ڈاکٹر مختار نے اخوت اور بھائی چارے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کا غم بانٹنے کی سعی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

سلامت کوئی گھر، کوئی مکاں باقی بچا ہے
وطن میں کیا کوئی کنجِ اماں باقی بچا ہے (۱۷)

پاکستانی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہمارا ایٹمی تجربہ ہے جس پر سارا عالم کفر ششدر و حیران ہے۔ ڈاکٹر مختار نے اس موقع پر ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی نذر'' میں وطن کے اس سپوت کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساری قوم کو مبارک باد دی ہے۔ اُن کے نزدیک یہ تجربہ ہمارے استحکام اور خطے کے قیام امن کا ضامن ہے اور ہمارے نصب العین کے حصول کی راہ کا ایک اہم سنگِ میل ہے۔ وہ مغرب کے آقاؤں کو بجا طور پر پیغام دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ہمارے سورما سائنس دانوں نے/ بچالی ہے وطن کی سرزمیں
ناموسِ آزادی/ لگا کر جان کی بازی
کہا ہے اہلِ دنیا سے/ تمھارے ورلڈ آرڈر کے
نہنگوں سے بھرے گدلے سمندر میں/ ابھی تک ہر بڑی مچھلی
پڑوسی مچھلیوں کی تاک میں/ دن رات رہتی ہے
بہانے ڈھونڈتی ہے/ ایک اک کر کے نگل جائے
ہر اک کمزور ساتھی کو/ مگر اب یہ نہیں ہوگا (۱۸)

ڈاکٹر مختار الدین احمد کی شاعری میں عالمی طاقتوں کے قول و فعل میں تضاد کا پردہ چاک کرنے کی مساعی بھی شامل ہے۔امیر ممالک اکثر پسماندہ ممالک کی مجبوریوں کا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔دُور کیوں جائیں خود ہمارے پاکستان کی مثال حاضر ہے۔روس کی بڑھتی ہوئی توسیع پسندی کو لگام ڈالنے کے لیے امریکی انٹیلی جنس اور آرمی نے پاکستان میں مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی مگر جب روس ٹکرے ٹکرے ہو گیا اور وہی مجاہدین افغانستان میں اسلامی حکومت قائم کر کے نفاذ اسلام کے لیے کوشاں ہوئے تو اب یہی لوگ دہشت گرد اور دنیا کے امن کے لیے خطرہ بن گئے۔پھر ساری دنیا نے دیکھا کہ افغانستان کی پُرامن حکومت کو کیسے ختم کیا گیا، بھاری بھرکم ڈیزی کٹر بموں سے افغانوں پر کس طرح آتش فشانی کی گئی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کا کیسے مذاق اُڑایا گیا۔کل کے وفادار نئے عہد میں غدار اور امن کے دشمن قرار دیئے گئے۔امریکی منافقت کی یہ داستان شاعر نے اپنے لفظوں میں یوں بیان کی ہے:

یک قلم موقوف ٹھہریں ساری اقدارِ وفا
میں ترقی کر کے جب پہنچا سر دارِ وفا(۱۹)

شاعر نے عہد موجود کے انسان کے داخلی کرب کی داستان اپنی ذات کے حوالے سے بیان کی ہے۔مادیت پرستی کے عفریت نے انسان کو مشین بنا کر رکھ دیا ہے۔اس پر جدید ٹیکنالوجی نے فرصت کے لمحات کو محدود سے محدود تر کر دیا ہے۔اس عدیم الفرصتی نے آج کے انسان کو تنہائی کے گہرے احساس سے دوچار کر دیا ہے۔خاص طور پر اگر یورپ کی بات کریں تو تنہائی کی یہ بات عین صداقت پر مبنی ہے کہ جہاں بے بی ڈے کیئر سنٹر (Baby Day care center) میں گزرتا ہے، جوانی فکر معاش کی جستجو میں تو بڑھاپا اولڈ ہاوسز (Old Houses) میں کٹتا ہے۔ہمارے ہاں بھی بڑے شہروں میں کہیں زندگی کی بقا کی جنگ میں اور کہیں معیار زندگی کے نام پر ایک نسل نے اپنے بڑوں کو تنہائی کے تحفے سے نواز رکھا ہے دراصل شاعر نے اپنے داخلی تجربے کی بنیاد پر آج کے انسان کی تنہائی کو احسن انداز میں بیان کر کے ہمارے طرز زندگی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ہمارے لیے فکر کے نئے دریچے وا کیے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

جانے کس بات کی علامت ہے
اک پرندہ ہے شاخ پر تنہا
کیسے کیسے خیال آتے ہیں
میں اکیلا ہوں اور گھر تنہا
میری تنہائی کا یہ عالم ہے
اس کی محفل میں ہوں مگر تنہا(۲۰)

پوری دنیا اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو رسوا کرنے پر تلی ہوئی ہے؛ یہی نہیں دنیا میں مسلمانوں کا خون سب سے ارزاں ہے۔ کشمیر، فلسطین، انڈیا اور برما میں تو مسلمانوں کی نسل کشی کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ عالمِ کفر متحد ہو کر ہر جگہ مسلمانوں کے درپے آزار ہے۔ اہلِ مغرب مسلمانوں کو حیوانوں سے زیادہ درجہ نہیں دیتے۔ اس بات کا مشاہدہ ڈاکٹر مختار نے انتہائی قریب سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

آساں نہیں اس دور میں انساں ہونا
ناموس کا بھی اپنی نگہ باں ہونا
مغرب کی خدائی میں ہیں درجے سب کے
حیوان سے کم تر ہے مسلماں ہونا(۲۱)

اس قدر اذیت ناک صورتِ حال میں مسلمانوں کے درمیاں مذہبی منافرت اور فرقہ پرستی کا زہر بے حد مہلک اثرات مرتب کرتا ہے۔ رنگ و نسل، ذات پات، فرقہ واریت اور لسانی تفریق وہ تعصّبات ہیں جن کی بدولت ماضی میں مسلمانوں نے بہت بڑے نقصانات اُٹھائے ہیں۔ جن حالات میں مسلمانوں کو آپس میں متحد ہونا چاہیے تھا ایسے میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے جا رہے ہیں۔ مذہبی عدم برداشت کے اس رویے پر عام مسلمان کس نفسیاتی الجھن میں مبتلا ہے اور اس کے ذہن میں کون کون سے خیالات جنم لے رہے ہیں، ڈاکٹر مختار الدین احمد اپنے شعروں میں اس کی یوں عکاسی کرتے نظر آتے ہیں:

جینے کا مرے اب کہیں سامان نہیں
مر جاؤں تو بخشش کا بھی امکان نہیں
دشمن نے مسلمان سمجھ کر مارا
مُلّا کا ہے فتویٰ کہ مسلمان نہیں(۲۲)

ذاتی مفادات کے تحت فروعی اختلافات کو ایک طبقہ ہوا دے رہا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں قطعاً اختلاف نہیں، پھر بھی مسلمانوں کا باہمی انتشار باعثِ پشیمانی و تشویش ہے:

کعبہ ہے ایک ، ایک خدا ، ہے رسولؐ ایک
پڑھتے ہیں کیوں نماز مسلماں الگ الگ (۲۳)

''عکسِ آواز'' میں شامل شاعری پر داخلی کیفیات سے زیادہ خارجی واقعات کا غلبہ ہے۔ یہ واقعات زیادہ تر مغربی استعمار کے مختلف پہلوؤں سے جڑے ہوئے ہیں۔ شاعر نے مقصدیت کو مقدم رکھتے ہوئے اپنے اشعار میں پسماندہ ممالک کے مظلوم لوگوں کی آواز کا عکس پیش کیا ہے۔ تیسری دنیا کے غریب ممالک؛ معاشی استحکام کے لیے مالیاتی اداروں سے قرض لیتے ہیں مگر مکڑی کے جال میں پھنس کر رہ جاتے ہیں

اور ساری زندگی ہاتھ پاؤں مارنے پر بھی نکل نہیں پاتے۔اس بارے میں ڈاکٹر خالد سہیل یوں رقم طراز ہیں:

"IMF کی وجہ سے غریب ممالک کا قرض کم ہونے کی بجائے بڑھتا جا رہا ہے جب امریکہ سود کی شرح بڑھاتا ہے تو غریب ممالک غریب تر ہو جاتے ہیں اور انھیں سود ادا کرنے کے لیے مزید قرض لینا پڑتا ہے، اس طرح ان کی حالت بہتر ہونے کی بجائے بدتر ہوتی چلی جاتی ہے"۔(۲۴)

اِدھر غریب ممالک کی معیشت کا جنازہ نکل جاتا ہے مگر اُدھر سے "ھل من مزید" کی صدا بدستور سنائی دیتی رہتی ہے۔مغرب کی اس ہوس پسندی کو شاعر نے خوب صورت کنایوں سے یوں واضح کیا ہے:

ہر لب پہ اس دیار میں ھل من مزید ہے
ہر ذرہ اس زمین کا ہے آسماں طلب
سایا سروں پہ پیٹ میں روٹی ، بدن پہ پوش
اس کے عوض وہ ہم سے کریں نقد جاں طلب(۲۵)

غزل کی زبان اشارے اور کنائے کی زبان ہوتی ہے۔ ایسے ہی کچھ لطیف اشارے ڈاکٹر مختار الدین احمد کے ہاں بھی دکھے جاسکتے ہیں۔مذکورہ احوال کے حوالے سے یہ شعر دیکھیے:

کتنے قرضے چکاؤ گے جاناں
سارے پچھلے حساب مل گئے ہیں(۲۶)

خیر اور شر کا اپنا اپنا نظام ہے مگر یہ دونوں باہم متصادم ہیں۔ازل سے شر کے نظام کی بنیاد جھوٹ، منافقت، ظلم ہوس اور تکبر پر ہے۔آج کے عہد میں نام نہاد تہذیب کے علم بردار کچھ ممالک تہذیب کے بجائے ظلم کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔عدل اور سچائی کی قدریں بس میڈیا یا تقریروں کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔ایسے میں ڈاکٹر مختار کا مشاہدہ قابلِ داد ہے کہ انھوں نے مغرب کی شر پسندی کو بے نقاب کر کے نہ صرف اپنے عصری شعور کا ثبوت دیا بل کہ بحیثیت شاعر اپنی ذمہ داری بھی نبھائی ہے:

اس نظام کہن کو وہ کہتا ہے تنظیم نو
ہیں جہاں بھی کبوتر وہاں باز موجود ہے (۲۷)

خیر کی مٹتی قدروں کے حوالے سے بھی ایک شعر ملاحظہ فرمائیں جس میں شاعر نے حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

عدل، انصاف، حسن ، سچائی
اب سجے ہیں یہ سب دکانوں میں (۲۸)

ڈاکٹر مختار کا مشاہدہ گہرا ہے۔انھوں نے زندگی کو عمیق نظروں سے دیکھا ہے اور غیر جانب داری سے عالمی سیاسی حالات کا تجزیہ پیش کیا ہے۔مسلمانوں پر مغرب نے مظالم ڈھائے تو اس میں مسلمانوں کا بھی قصور ہے۔کیوں مسلمانوں نے اسوۂ رسولؐ کی پیروی نہ کر کے علم وعمل سے ناتا توڑا؟ کیوں مسلمان دولت اور ہوس کا پجاری بن کر رضائے الٰہی سے دور ہوا؟ یہی وہ عوامل ہیں جن کے باعث آج کا مسلمان ذلت آمیز اور شکست خوردہ زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔انھوں نے مسلمانوں کے معاشرے (خصوصاً پاکستان) کی داخلی کیفیت کا نقشہ اپنے نعتیہ قصیدے میں بڑے پُرسوز انداز میں کھینچا ہے اور سیرت النبیؐ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی ہے۔یہ اعتراف نہ صرف ان کے عصری شعور کی بھرپور ترجمانی کا حامل ہے بل کہ ان کے مصلح ہونے پر بھی دلیل ناطق ہے۔ذیل میں چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

مگر اب شرم ، خفت اور ندامت ہے ہمیں خود سے
ہمارے دور میں ہے پھر حق و انصاف پر قدغن
کوئی جائے اماں باقی نہ گھر میں ہے نہ باہر ہے
خدا کے بعد اب سایہ ترا ہے آمن و مامن
وطن اور ہم وطن میرے ہیں مشکل میں ، خطر میں ہے
مری امید کی کھیتی میرے ارمان کا خرمن
ہمارا حال ہے ایسا نہ زندوں میں نہ مردوں میں
ہمیں اب پھر تجھ ہی سے سیکھنا ہے زندگی کا فن (۲۹)

ڈاکٹر مختار کی شاعری امت مسلمہ کی مظلومیت کی وہ داستانِ الم ہے جس میں مغرب کے دوہرے معیارات کو کھلے بندوں بے نقاب کیا گیا ہے۔انھیں مغربی جارحیت اور استعماریت کا مکمل ادراک ہے اور ملک کی داخلی صورتِ حال کا بھی بھرپور عرفان حاصل ہے۔وہ مغربی تہذیب کے ایسے ناقد ہیں جنھوں نے مدلل انداز میں اہلِ مغرب کو آئینہ دکھانے کی کامیاب سعی کی ہے۔اُن کی مقصدیت کی حامل شاعری کو اقبال اور ظفر علی خاں کی روایت کی اگلی کڑی قرار دیا جا سکتا ہے جس میں روحِ عصر کے تقاضوں کی ترجمانی کی واضح جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) مختارالدین احمد،ڈاکٹر،''عکسِ آواز''کراچی،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء،ص:۳۶۱

(۲) صباحت عاصم واسطی۔(مضمون)''ڈاکٹر مختارالدین احمد :وافر سے وفور تک کے راہبر''، مشمولہ:''عکسِ آواز''از مختارالدین احمد،ڈاکٹر،کراچی،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء،ص:۲۵

(۳) نعیم احمد،ڈاکٹر۔(مضمون)'' آج کی اردو شاعری میں عصری حسیت کا دوسرا رُخ''، مشمولہ: سہ ماہی''عصری آگہی'' دہلی،مجلّہ۲،۱۹۹۲ء،ص:۸۲

(۴) مختارالدین احمد،ڈاکٹر۔''عکسِ آواز''،کراچی،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء،ص:۱۸۵

(۵) ایضاً۔ص:۷۹ (۶)ایضاً۔ص:۷۷ (۷) ایضاً۔ص:۱۷۸

(۸) ایضاً۔ص:۱۷۶ (۹)ایضاً۔ص:۱۱۹،۱۲۰ (۱۰)ایضاً۔ص:۱۶۸

(۱۱) ایضاً۔ص:۱۴۳

(۱۲) باصر سلطان کاظمی۔(مضمون)''عکسِ آواز''مشمولہ:''عکسِ آواز''از مختارالدین احمد،ڈاکٹر،الحمد پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۱۶ء،ص:۱۸

(۱۳) مختارالدین احمد،ڈاکٹر۔''عکسِ آواز''،کراچی،الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء،ص:۱۱۱،۱۱۲

(۱۴) ایضاً۔ص:۲۵۸ (۱۵)ایضاً۔ص:۲۸۸ (۱۶)ایضاً۔ص:۲۳۴

(۱۷)ایضاً۔ص:۲۳۵ (۱۸)ایضاً۔ص:۱۰۶ (۱۹)ایضاً۔ص:۲۵۵

(۲۰) ایضاً۔ص:۳۰۲۔۳۰۳ (۲۱)ایضاً۔ص:۷۷ (۲۲)ایضاً۔ص:۸۶

(۲۳)ایضاً۔ص:۳۲۴

(۲۴)خالد سہیل،ڈاکٹر۔''سماجی تبدیلی:ارتقا یا انقلاب''،دارالشعور،لاہور،۲۰۰۹ء،ص:۶۲

(۲۵) مختارالدین احمد،ڈاکٹر۔''عکسِ آواز''،الحمد پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۱۶ء،ص:۳۸۶،۳۸۷

(۲۶)ایضاً۔ص:۲۶ (۲۷)ایضاً۔ص:۳۲۱

(۲۸)ایضاً۔ص:۳۸۱ (۲۹)ایضاً۔ص:۳۶